Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

شخصیت و کردار کی تعمیر و تشکیل کا مذہبی تناظر: اسلامی زاویہ ٔنگاہ سے

The Religious Perspective of Character Development and Seerah: An Islamic point of view

***عاطف منظور**

لیکچرر اُردو (وزیٹنگ)، ڈویژن آف ایجوکیشن، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

****ڈاکٹر محمد امجد عابد**

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

Abstract:

To comprehend the variations in human behaviour, it is necessary to understand the personality. Many aspects and elements of personality combine to form a successful personality. Self and self-awareness plays a very important role in personality development. Religion is the source and centre of self-realisation. Both external and internal behaviours play a vital role in building a person's personality and character. Religion plays a prominent role in these behaviours. When human actions are in accordance with God's will, man is blessed with a content heart. Then he is not only entitled to the love of his Lord, but he is also assigned to perform the duty of serving humanity. In this article, the researcher has tried to describe and clarify the religious perspective and point of view in the construction of personality and character.

Keywords: Personality, Religion, Universe, Human being, Life, Goodness, Evil, Psychology, Values

کلیدی الفاظ: شخصیت، مذہب، بنی نوع انسان، کائنات، زندگی، نیکی، بدی، نفسیات، اقدار

انسان کیا ہے؟ اس کی شخصیت سے کیا مراد ہے؟ انسان کن حالات میں سر گرمِ عمل ہوتا ہے اور کون سی مشکلات ساری دُنیا کو تج کر اُسے کنارہ کش ہونے پر اُکساتی ہیں۔ کون سے رویے اُس کی زندگی میں بہار لاتے ہیں اور کون سی باتیں اُسے نااُمید و غمگیں کر دیتی ہیں۔ شخصیت کے اس پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالرحیم اپنے پی ایچ۔ڈی کے مقالے میں لکھتے ہیں:

> ''انسان کی زندگی دو ایسے راستوں کا سفر ہے جس میں ایک انسان کے وجود کے اندر سے شروع ہوتا ہے جس میں وہ ایک جست میں کائنات کی وسعتوں کو سیر کر لیتا ہے اور کبھی وہ اُن کی بھول بھلیوں میں ایسے گم ہو جاتا ہے کہ راستے تو ایک طرف اُسے اپنی ذات کا سرا بھی ہاتھ نہیں آتا۔ اس طرح ذات کا سفر تمام کائنات کی سیر کے بعد خود اُسی کی ذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ اسے ہم اُس شخص کی ذاتی زندگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ دوسرے سفر کا راستہ اُس کے وجود سے باہر ہے۔ اس راستے کو حیات اجتماعی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ جس پر چلتے ہوئے کوئی شخص بے شمار دوسرے افراد کے ہم راہ قدم سے قدم ملا کر چلتا ہے، کبھی وہ اُن سے آگے بڑھ جاتا ہے تو کبھی وہ اُن سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اسی طرح یہ مسلسل رد و قبول، اشتراک و آمیزش کا راستہ ہے۔ جس میں وہ دوسروں پر نہ صرف اثر انداز ہوتا ہے۔ بلکہ دوسروں سے اثر قبول بھی کرتا ہے۔ کبھی انسان اپنے ماحول

کے تناظر میں محبت کرنا، میل جول رکھنا اور تعاون کرنا سیکھتا ہے۔ کبھی اُس کے گرد و پیش کے حالات و واقعات، مشاغل و تجربات اُسے زندگی سے سرکشی کی جانب موڑ دیتے ہیں۔" ۱

انسانی رویوں میں موجود بو قلمونی کیفیت کو جاننے کے لیے شخصیت کا جاننا ضروری ہے۔ اس کے وہ کون سے پہلو ہیں جس کے ذریعے وہ حساس ہو کر دوسروں کے لیے سوچتا ہے، دوسروں کے کام آتا ہے۔ اپنی زندگی انسانیت کی فلاح و بہبود پر خرچ کر دیتا ہے۔ وہ کون سے عناصر ہیں جو شخصیت کو حد درجہ دل آویز بنا دیتے ہیں۔ اور لوگ اس پر مر مٹتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ کون سے عناصر ہیں جن کی وجہ سے خلقت اُسے مرنے مارنے پر تُل جاتی ہے۔ ان سب کو جاننے کے لیے شخصیت اور اس کے عناصر ترکیبی کو جاننا بے حد ضروری ہے۔

اصطلاحاً اگر دیکھا جائے تو شخصیت سے مراد انسانی وجاہت، خوب صورتی، خوش گفتاری، نیک نیتی اور اخلاص لیا جاتا ہے۔ اس طرح ایک شخصیت ظاہر اور باطن کے ملاپ سے وجود میں آتی ہے۔ ایک شخص اگر بظاہر جاذبِ نظر، خوش لباس اور خوش اخلاق ہے لیکن باطنی طور پر وہ بدنیت، مکار، عیار اور دھوکے باز بھی ہو تو لوگ اس کے ظاہری پہلوؤں پر اتنی توجہ دیے بغیر نہ صرف اُس سے محتاط رہتے ہیں بلکہ اُس کا ذکر بھی اچھے لفظوں میں نہیں کرتے جب یہ کہا جاتا ہے کہ شخص تو مر جاتا ہے لیکن شخصیت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔ اس سے یہی پتہ چلتا ہے کہ ظاہری دل کشی سے باطنی خوب صورتی زیادہ دیرپا، موثر اور دل آویز ہوتی ہے۔

انسان معاشرے میں ارد گرد کے ماحول سے متاثر ہو کر جو عادات، رویے، انداز اور طریق کار اپناتا ہے وہ شخصیت نہیں ہے۔ وہ تو اس کے ماحول کی دین ہے جس کے تابع وہ عمل اور ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے۔ اس طرح مذہب، بشریات، حیاتیات، اخلاقیات، نفسیات، عمرانیات اور فلسفہ یا اس نوع کے دیگر سبھی علوم کا تعلق بلاواسطہ یا بلواسطہ انسان اور اس کی شخصیت سے بنتا ہے۔ سبھی علوم کا مرکز و محور حضرت انسان ہے۔ اب اُس کی شخصیت سے آگاہی جہاں بہت سے مسائل کا حل تلاش کرنے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ وہاں شخصیت کے ارتقائی مدارج کے طے کرنے میں بھی اپنا کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس ضمن میں شاہد اقبال، علامہ اقبال کے نظریۂ شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اقبال کی زندگی اور کلام دونوں میں انسانی شخصیت کے ارتقائی مدارج کی بھرپور جھلک نظر آتی ہے۔ اقبال کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ایک انسان تھے۔۔۔۔ اقبال کے نزدیک شیطان خودی، لذت پسندی اور خالص عقل کا پیکر مجسم ہے جو کسی بھی ضبط و آئین کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اضطراب و لذت پرستی اس کے خمیر میں ہے۔ ان دونوں کی آمیزش سے ایک حرکت پذیر، آئین پسند اور ہمہ گیر شخصیت ابھرتی ہے جس کی معراج اقبال کے یہاں خودی ہے۔" ۲

خودی انسان کو خود شناسی سکھانے کے ساتھ اُسے مقصدِ حیات سے بھی آگاہ کرتی ہے۔ جس سے شخصیت کی تعمیر ممکن ہوتی ہے۔ شخصیت کی تکمیل کے بعد اُس کی بقا کے لیے اقبال کچھ یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

"انسان اصلاً ایک توانائی، ایک قوت یا قوتوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے عناصر کی ترتیب میں اختلاف کی گنجائش ہے۔ ان قوتوں کی ایک مخصوص ترتیب کا نام شخصیت ہے۔۔۔۔ شخصیت انسان کا عزیز ترین سرمایہ ہے، لہٰذا اسی کو خیر مطلق قرار دینا چاہیے اور اپنے تمام اعمال کی قدر و قیمت کو اسی معیار پر پرکھنا چاہیے۔ خوب وہ ہے جو شخصیت کے احساس کو بیدار رکھے اور ناخوب وہ ہے جو شخصیت کو دبانے اور بالآخر اُسے ختم کر دینے کی طرف مائل ہو۔ اگر ہم وہ طرزِ زندگی اختیار کریں جس سے شخصیت کو تقویت پہنچے، تو دراصل ہم موت کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ موت جس کی ضرب سے ہماری شخصیت کی اندرونی قوتوں کی ترتیب گڑبڑ ہو جاتی ہے۔ پس شخصیت کی بقا ہمارے اختیار میں ہے۔ اس کے حصول کے لیے جدوجہد ضروری ہے۔" ۳

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

انسان کی شخصیت ظاہر و باطن سے مل کر وجود میں آتی ہے۔اس میں جہاں انسان کے خارجی عناصر شامل ہیں وہاں اس کے باطنی رویے بھی شامل ہیں۔ظاہر سے زیادہ باطنی رویے ہی انسان کو زمانے میں زندہ رکھنے کے قابل بناتے ہیں۔دُنیا میں پیدا ہونے والے بہت سے خوب صورت لوگ اگرچہ طبعی عمر میں طویل رفاقت کے حامل ہو سکتے ہیں لیکن ایسی شخصیت جو انھیں موت کے بعد بھی ہیشگی عطا کرنے کا باعث ہو یہ ضروری نہیں ہے۔اس کے علاوہ وہ افراد جو ظاہری حلیے میں تو زیادہ خوب صورت نہ ہوں لیکن اُن کے عادات واطوار ایسے ہوں جن سے وہ دوسرے افراد کے کام آتے ہیں اُن کی بہتری کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والے ہوں۔ایسے افراد خوب صورت اور دل کش خد و خال کے حامل افراد سے زیادہ دیرپا، طویل اور ہیشگی کی زندگی پاتے ہیں۔ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہر سے زیادہ باطن کا دل کش ہونا ضروری ہے۔یہی وجہ ہے کہ شخصیت کے باطنی پہلو کو کردار سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔وہ سوال جو ابتدا میں اُٹھایا گیا تھا کہ وہ کون سے عناصر ہیں کہ جن کے تحت ایک شخص تو مر جاتا ہے لیکن ایک شخصیت ہمیشہ زندہ رہتی ہے۔مذہب وملت کی تخصیص کے بغیر ایسے بہت سے افراد کے نام لیے جا سکتے ہیں جو اگرچہ بہت عرصہ پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن اُن کے کاموں نے اُنھیں زندہ رکھا ہوا ہے۔وہ مدر ٹریسا ہو کہ روتھ فاؤ، عبدالستار ایدھی ہو یا ایسی دوسری شخصیات جنھوں نے انسانوں کی بہتری کے لیے حرص و ہوس، طمع ولالچ کو ترک کر کے اخلاص کا راستہ اپنایا ہو۔جن کی بنا پر وہ افراد آج بھی زندہ ہیں اور لوگ دل و جان سے اُن کی عزت کرتے ہیں جب تک اُن کے کام زندہ ہیں وتب تک وہ افراد بھی زندہ رہیں گے۔

انسان کو قرآن مجید میں کئی جگہوں پر تفکر وتدبر کی دعوت دی گئی ہے۔کبھی کائنات کے سیاروں اور ستاروں پر سوچنے کو کہا گیا ہے کہیں اُسے موسموں کے تغیر و تبدل کے پس منظری حقائق جاننے پر آمادہ کیا گیا ہے۔کہیں کہیں انسانوں، جانوروں، چرند، پرند اور درند کے وجود کو اور ان کی تخلیق پر توجہ کے لیے اکسایا گیا ہے۔جس طرح انسان کائنات کے نظام صبح وشام، دن رات کی آنکھ مچولی، نباتات وجمادات اور حیوانات کی شکل وصورت پر غور وفکر کرتا ہے۔اسی طرح وہ حیات وممات، اس دنیا کی طرف آمد، یہاں کی ذمہ داریاں اور پھر مذہب کی ضرورت واہمیت کو بھی بہ نظر غائر دیکھنے کا خواہش مند رہتا ہے۔ان سب کے ساتھ اس کے ذہن میں یہ سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں کہ مذہب سب سے پہلے کب وجود میں آیا۔اس کا موجد کون تھا۔یہ کس زمانے کی بات ہے اور اس کی شروعات دنیا کے کس خطے سے ہوئی۔انسانی زندگی میں مذہب کی کیا ضرورت ہے؟ان سب باتوں پر انسان جیسے جیسے غور وفکر کرتا ہے ویسے ویسے ان مسائل کی گتھی سلجھتی چلی جاتی ہے۔

مذہب عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جامع اللغات میں ان الفاظ میں درج ملتے ہیں۔راہ، راستہ، طریقہ، پنتھ، ایمان، دھرم اور عقیدہ کے ہیں۔مذہب کے لیے Religion کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔کتابستان انگلش ڈکشنری مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کرتی ہے:

> "System of faith and worship such a system based on belief in Almighty God." ۴

آکسفورڈ ایڈوانسڈ انگلش ڈکشنری مذہب پر ہی بات کرتے ہوئے بیان کرتی ہے کہ:

> "The belief in the existence of a god or gods and the activities that are connected with the worship of them." ۵

انگریزی لفظ Religion کا عربی میں ہم معنی لفظ مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام۔

ترجمہ: "بے شک (درست) دین تو اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے۔" ۶

قرآن مجید میں دین کا لفظ تو کئی بار آیا ہوا ہے لیکن مذہب کا لفظ کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ مشہور عالم ماہر نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیو با نے اپنی تصنیف The Psychology of Religious Mysticism میں مذہب کی درج ذیل تعریفات درج کی ہیں جو کسی نہ کسی طرح مذہب کے ضروری اور اہم جز پر روشنی ڈالنے کا کام سرانجام دیتی ہیں جس سے مذہب اور اس کی ضرورت و اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ وہ مذہب سے متعلق اپنی پہلی تعریف میں لکھتے ہیں کہ :

> "Religion is the name of the feeling that the existence of holy, higher and unseen entity in the heart and mind of a man." ۷
>
> مذہب نام ہے اس احساس کا جو کسی مقدس، بالاتر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے قلب و دماغ میں پیدا کرتا ہے۔

ایچ لیوبا مذہب کی دوسری تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے:

> "Religion is the name of believing in an eternal and eternal reality whose status and purpose is above human intention and thinking and which is deeply related to human life." ۸
>
> مذہب نام ہے ایک ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا جس کی حیثیت اور ارادہ انسانی منشا اور تفکر سے بالاتر ہے اور جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا ہے۔

جیمز لیوبا مذہب کی تیسری تعریف میں اسے انسان اور کائنات کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے والے کے عنصر کے طور پر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

> "Religion is a spiritual and Psychological aspect whose basic belief is that there is harmony between man and Universe." ۹
>
> مذہب کا روحانی اور نفسانی ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ انسان اور کائنات کے درمیان ایک ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

وہ اپنی متذکرہ بالا کتاب ہی میں مذہب کی چوتھی تعریف میں اسے مافوق الانسانی قوتوں کی رضا جوئی کے لیے انسانی کوشش سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ :

> "Religion is the name of the satisfaction of these superhuman forces that rule over human life." ۱۰
>
> "مذہب نام ہے ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضا جوئی کا جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں۔"

اُس نے مذہب ہی کی پانچویں تعریف میں اُسے زندگی کے حقیقی مقاصد کی پہچان کا ذریعہ بتایا ہے۔ اس ضمن میں ان کا کہنا ہے کہ :

> "Religion is the name of the quest that man makes to realize the true goals of life." ۱۱
>
> "مذہب نام ہے اس جُستجو کا جو انسانی زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کے لیے کرتا ہے۔"

انسان کا عالم بالا سے اس کائنات میں بھیجے جانے کے مقصد کی دریافت اس دُنیا اور اُخروی جہان میں کامیابی کے لیے جو فکر و جُستجو کرتا ہے اس ضمن میں پروفیسر سید امیر کھوکھر بیان کرتے ہیں:

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

"انسان اپنی فکر و جستجو سے اپنی کامیابی کے جو راستے منتخب کرتا رہا، اور پھر ان پر چلتا رہا اُسے بھی مذاہب کہتے ہیں اور اللہ تعالی کی طرف سے جو رُشد و ہدایت بذریعہ انبیائے کرام و رسولانِ عظام علیھم السلام انسان کو میسر آئی۔ کامیابی کے ان راستوں کو بھی 'مذاہب' سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔" ١٢

دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ مذہب ان ہدایات و احکام کا نام ہے جو گاہے بہ گاہے اللہ تبارک و تعالی نے اپنے برگزیدہ بندوں، انبیائے کرام اور رسولوں کے توسط سے اپنے بندوں کے لیے ارسال کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر وہ دُنیا اور آخرت دونوں جہانوں کی کامیابیاں سمیٹ سکتے ہیں۔ مذہب مادی اور روحانی دُنیا میں کامران ہونے کا نام ہے۔ اس طرح یہ انسان کی روح اور جسم کے جملہ تقاضوں کی تکمیل کرتا ہے۔ قرآن مجید ارشادِ خداوندی ہے کہ :

" رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ "١٣

"ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہمیں دُنیا میں بھی خوبیاں اور اچھی چیزیں عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھی چیزوں سے نوازتے رہنا اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔"

مذہب کا بنیادی مقصد اپنی تخلیق کی وجوہات پر غور و فکر کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک کا ادراک، اپنے اس دنیا میں بھیجے جانے کے اسباب سے آگہی اور اُس خالق کی خوشنودی کے لیے اُس کے احکامات پر عمل کرنا تاکہ یہ دُنیا اور اُخروی زندگی میں کامیابی حاصل ہو سکے۔ دنیا کے مورخین نے مذاہب کی تقسیم تین اعتبار سے کی ہے۔

١۔ الہامی مذاہب میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام کو شامل کیا جاتا ہے۔ جب کہ غیر الہامی مذاہب میں ہندومت، بُدھ مت، جین مت، کنفیوشس ازم اور زرتشتیت وغیرہ کو شامل کیا جاتا ہے۔

٢۔ سامی مذاہب میں ان مذاہب کو شامل کیا جاتا ہے جو عرب اور بنی اسرائیل میں پھیلے۔ جب کہ غیر سامی مذاہب وہ ہیں جو آریائی اور منگول نسلوں میں وقوع پذیر ہوئے جن میں بُدھ مت، ہندومت، کنفیوشس ازم اور زرتشت کا نام لیا جاسکتا ہے۔

٣۔ تبلیغی مذاہب میں عیسائیت، بُدھ مت اور اسلام جب کہ غیر تبلیغی میں دیگر مذاہب کو شامل کیا جاتا ہے۔

ان متذکرہ بالا مذاہب کی تعلیمات کا دائرہ کار مختلف ضرور ہے لیکن اس کے باوجود ان سب میں ایک قدر مشترک ہے وہ یہی کہ سب کا مطمع نظر حق کی تلاش اور انسان کی کامیابی و ترقی شامل ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ غیر الہامی مذاہب میں الوہی نظام سفارت (یعنی نبوت و رسالت) کی کمی کی وجہ سے وہ صراط مستقیم سے دور رہے۔ جب کہ الہامی مذاہب جن میں بالخصوص یہودیت اور عیسائیت شامل ہیں ان کی تعلیمات میں ان کے اپنے ہی پیروکاروں نے تحریک کر کے اُس کی اصل روح کو متاثر کیا۔ اس کے برعکس اسلام کی تمام تر تعلیمات قرآن مجید کی صورت میں نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کے پیروکاروں کی ترقی اور کامیابی میں بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

اللہ تبارک و تعالی نے انسان کی پیدائش خون کے ایک لوتھڑے سے کرتے ہوئے اُسے احسنِ تقویم کے درجے پر فائز فرمایا ہے۔ "احسن تقویم" سے مراد یہی ہے کہ اُسے جن صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے وہ اُس کا بہترین استعمال کرتے ہوئے جہاں دونوں جہانوں میں کامیابی کا سزاوار ہو وہاں وہ مقرب و معتبر مقام و مرتبے کا حامل بھی ہو۔ اس کے لیے اُسے چند مدارج طے کرنا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دینِ اسلام میں تزکیہ نفس کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ جس کے ذریعے انسان اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور تقویٰ کی منزل کو پالیتا ہے۔ جہاں تک تقوی کا تعلق ہے تو اہلِ علم کے ہاں وہ بنیادی طور پر تین معنوں میں مستعمل ہے۔ ان میں اولین درجہ خدا کے سامنے خشیت کے اظہار کو حاصل ہے۔ دوسرے درجے میں جس چیز سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو اُس سے محفوظ رہنا جب کہ تیسرا درجہ کسی آفت سے ڈرنے کو حاصل ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ان متذکرہ بالا باتوں سے یہی سیکھنے اور سمجھنے کو ملتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی سے ڈرتے رہنا اور اپنی لغزشوں کی معافی مانگنا جہاں اس کے قلب کو بیداری عطا کرتا ہے وہاں روح کو بالیدگی اور آسودگی بھی مہیا کرتا ہے۔ توبہ کی اس کی اہمیت کے پیشِ نظر قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے کہ :

”وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا “۱۴

ترجمہ: اور جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان کا نقصان کرے پھر اللہ تعالی سے معافی مانگے تو وہ اللہ تعالی کو بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا پائے گا۔“

اسی طرح سورۃ الزمر میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ :

”قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا “۱۵

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ تعالی کی رحمت سے ناامید مت ہو یقیناً اللہ تعالی تمام گناہوں کو معاف فرمادے گا۔“

قرآن مجید میں نہ صرف استغفار پر زور دیا گیا ہے بلکہ یہ بات نفسیاتی سطح پر بہت زیادہ فائدہ مند بھی ہے۔ توبہ سے گناہ کے اثرات ختم ہوتے ہیں اسی کے ساتھ وہ اپنے رب کی حفاظت اور امان بھی چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گناہ کے نجس اثرات سے بچنے اور اس کے تدارک کے لیے انسان کو ”توبہ اور استغفار“ کی ڈھال کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیے۔ مزید برآں عبادت کا کلیدی مقصد انسان کو کسی پھندے یا شکنجے میں جکڑنا نہیں بلکہ نفس انسانی کو وسعت و کشادگی عطا کرنا ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن مجید میں ارشادِ خداوندی موجود ہے:

”لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُو۔“۱٦

ترجمہ: نیکی کا اصل مزاج یہ نہیں ہے کہ تم اپنے رخ مشرق یا مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی کی اصل سے آشنا وہ ہے جو اللہ تعالی، روز آخر، فرشتوں، اللہ تعالی کی کتاب اور سارے پیغمبروں پر ایمان لائے اور حقیقی محبت کی بنیاد پر اپنا مال قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، راہ نشینوں، مانگنے والوں اور بندھنوں میں جکڑے ہوئے لوگوں پر خرچ کرے اور نماز قائم رکھے اور زکوۃ ادا کرتا ہے اور وہ لوگ جو کوئی صحیح عہد کرلیں تو اُسے پورا کرتے ہیں۔“

دینِ اسلام میں نظامِ عبادات جیسے ذکر و فکر، شکر، صبر، توکل اور رضا کے ذریعے انسانی صلاحیتوں کو یک جان رکھنے کے ساتھ انھیں منتشر ہونے سے محفوظ رکھنا بھی ہے۔ فسق وفجور سے قرآن مجید نے اس لیے بچنے پر زور دیا ہے کیوں کہ اس سے انسانی شخصیت ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جاتی ہے۔ فجور کے لغوی معنی کسی چیز کو پھاڑ دینے کے لیے جاتے ہیں۔ اسی تناظر میں انسان یا اس کی ذات کا فجور در اصل اس کا منتشر ہونا کے لیے جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ فسق کے معنی نہ صرف حدود کو پھلانگنا بلکہ اُن سب رکاوٹوں، ضبط کے بندھنوں اور حدود و قیود سے آزاد ہو کر بھاگ نکلنے کو کہا جاسکتا ہے۔ نفسیاتی سطح پر اگر اس بات کا جائزہ لیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ فسق میں وہ باتیں شامل ہیں جو کسی حد تک نفس امارہ کو طاقت ور بنانے کا فریضہ سرانجام دیتی ہیں۔ جس کے نتیجے میں اس پر نفس لوامہ کی دسترس کافی حد تک کم پڑ جاتی ہے۔ اسی حقیقت کی بازگشت نبی اکرم ﷺ کی اُس حدیث میں بھی ملتی ہے کہ جب کوئی بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے۔ جس سے یہ مراد لیا جاسکتا ہے کہ اس شخص میں بدی کی رغبت پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس کے برعکس جب وہ توبہ استغفار کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ نقطے سے نہ صرف صاف بلکہ پاک بھی ہو جاتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بار بار گناہ کرنے سے اس کا دل پوری طرح تاریک ہو جاتا ہے۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

اسلام کے نظریۂ شخصیت کا جادہ انسانی رضائے الٰہی کی منزل پر پہنچانے کا فریضہ سر انجام دیتا ہے اور رضائے الٰہی کے لیے انسان اپنی جان، مال اور ہر نوع کی چیز اُس ذات کے حضور پیش کر دے۔ انسان دنیا کی محبت، مال و دولتِ دنیا، نمود و نمائش، بڑائی و بزرگی کے ہتھکنڈوں سے آزاد ہو کر ہی اپنی انا کی تسخیر کرنے کا باعث بنتا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ نہ صرف اپنے خالق سے محبت کا صحیح حق ادا کرنے کے قابل ہوتا ہے بلکہ اس کی مخلوق سے محبت کا اندازہ فقید المثال ہونے کے ساتھ ساتھ دیدنی بھی ہو جاتا ہے۔ اس لیے سورۃ توبہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔"[17]

ترجمہ: اللہ نے ایمان والوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لیے ہیں۔ اس معاوضے میں ان کے لیے جنت ہے۔"

انسانی اعمال جب اپنی انا کی تسکین کی بجائے رضائے الٰہی کے تابع ہوں گے تو انسان کو اطمینان قلب عطا ہوتا ہے اور وہ نہ صرف اپنے رب کی محبت کا حق دار ٹھہرتا ہے بلکہ وہ انسانیت کی خدمت کا فریضہ سر انجام دینے پر مامور ہو جاتا ہے۔ اس طرح انفرادی سطح پر ایک فرد سے معاشرے پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایسا رویہ اجتماعی سطح پر انسانیت کی بھلائی اور بہبود کے لیے جہاں ضروری ہے وہاں لازمی کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔

اسلام اور جدید نفسیات کے درمیان انسانی شخصیت کے بارے میں بڑا فرق موجود ہے۔ اسلام نے انسان اور حیوان کے درمیان بنیادی فرق دو ٹانگوں یا قوتِ گویائی کا ہی نہیں بلکہ انسان اور حیوان کے رویوں، میلانات و رجحانات اور ان کی داعیات کی دنیا کا بالکل الگ تھلگ ہونا بھی ہے۔ اسلام نے انسان کی جبلی اور جسمانی تقاضوں کو مد نظر رکھنے کے ساتھ ان کی ادائی پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اس حقیقت کی طرف بڑے بلیغ انداز میں توجہ دلائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا "تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے" یہی وجہ ہے کہ اسلام نے جسمانی تقاضوں کے پورا کیے جانے کو تزکیہ نفس کا ایک اہم جز قرار دیا ہے۔ مزید برآں بھوک، شہوت اور دیگر جبلی تقاضوں کو دین اسلام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں تجرد اور رہبانیت کو ترک کرنے پر زور دیا ہے۔ نفس کشی انسانی زندگی کے لیے بہت زیادہ مہلک ہے لہٰذا اس کی ممانعت اسلام میں موجود ہے اور روح و جسم کے تقاضوں کو ہر طرح پورا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس لیے مطالبات نفس کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ضبطِ نفس کی اہمیت کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔

دینِ اسلام نے انسان کو نفس پرستی اور نفس پروری سے اسلیے روکا ہے کہ آدمی مکمل طور اپنے نفس کا غلام نہ بن جائے۔ اگر وہ ضبطِ نفس کے تقاضوں کو پورا کرنے سے دور رہے گا تو تمام زندگی کٹی پتنگ کی طرح بھٹکتا رہے جیسے اس کی منزل کا تعین ہوائیں کرتی ہیں اسی طرح انسان اپنے نفس کے تابع خیر و شر کی قوتوں کے مابین پنڈولم کی طرح حرکت کرتا رہے گا۔ اس کے برعکس انسان اپنی قوتِ فیصلہ کے بل بوتے پر خارجی حیوان کو باطنی انسان کا غلام بنانے کی صلاحیت سے مالا مال ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ بہیمی طاقتوں کو ملکوتی قوتوں کا غلام بنائے۔ بہیمی قوتیں ہی دراصل وہ شیطان ہیں جن سے قرآن مجید بچنے کی ہدایت کی ہے۔ ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے کہ میں نے شیطان کو اپنا مطیع کر لیا ہے۔ کفر اور انسانی تقاضوں کو پورا کرنے سے دوری اختیار کرنا اُسے حیوان بنا دیتی ہے۔ یعنی وہ انسان جو روح کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے صرف اپنے جسمانی تقاضوں کو پورا کرنے تک محدود رہتا ہے۔ وہ نہ صرف حیوان بن جاتا ہے بلکہ اس سے بھی بدتر صورت تک جا پہنچتا ہے۔ انسانی فطرت کا واحد تقاضا روحانی اقدار کا فروغ ہے۔

اس کائنات کو وجود میں آئے شاید اربوں یا کھربوں برس بیت چکے ہیں۔ ہمارے بعد زندگی کب تک یہاں قائم رہے گی اس کے بارے میں کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا۔ اس کھربوں برس کے زمانے اور انسانی عرصہ حیات ۶۰، ۷۰، ۸۰، ۹۰ یا ۱۰۰ کے تناظر میں یہ عرصہ ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے سے بھی کم اہمیت اور حیثیت کا حامل ہے۔ اس صورت میں انسانی شخصیت کی تعمیر و تشکیل اور استحکام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں میاں عبدالرشید بیان کرتے ہیں کہ:

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

"انسانی زندگی کا مقصد شخصیت کی تعمیر واستحکام ہے۔ جیسے حیاتِ انسانی اپنے پیچھے کروڑوں برس کے مختلف مراحل چھوڑ کے آئی ہے۔ اسی طرح اس کے آگے بھی زندگی کے ابد تک پھیلے ہوئے مختلف امکانات ہیں اور انسان ان دونوں کے درمیان ایک نہایت مختصر، مگر ساتھ ہی نہایت نازک اور اہم کڑی ہے۔ کھربوں برس کی سابقہ زندگی اور اس طرح تاابد پھیلی ہوئی آئندہ زندگی کے مقابلہ میں فرد انسانی کی ساٹھ ستر برس کی زندگی کی وہی حیثیت ہے جو پوری انسانی زندگی میں ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصے کی ہو، بلکہ اس سے بھی بہت ہی کم (دراصل یہ کہنا بھی محض سمجھنے سمجھانے کے لیے ہے ورنہ محدود کی غیر مختتم سے کوئی نسبت نہیں) مگر اس کی اہمیت ملاحظہ ہو کہ اس ایک سیکنڈ کے کروڑویں حصہ سے مرتب شدہ نتائج پر ہمیشہ ہمیشہ کی کامیابی وناکامی کا دارومدار ہے۔" ١٨

اسلام دینِ فطرت ہے۔ فطرت ان قوانین کا مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو چلانے اور انسانوں کے زندگی گزارنے کے لیے ترتیب دے رکھے ہیں۔ نفسیات بھی فرد کے ان رویوں کا جائزہ لیتی ہے جس کے تابع وہ مختلف اعمال وافعال سرانجام دیتا ہے۔

اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو تمام مذاہب میں بنیادی عقائد سے ہٹ کر انسان کی ترقی کے ساتھ اس کے دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق کے لیے ایک نظام اخلاقیات بھی قائم کیا ہے۔ جس میں انسان کے اپنے جیسے دیگر انسانوں سے تعلقات کو فروغ دینے پر زور دیا گیا ہے۔ اخلاقیات، احترام حیات، احترام آزادی، احترام صداقت، فرائض کے تعین، معاشرے میں امن وامان کے قیام، سزاو جزا اور زندگی کے دیگر پہلوؤں پر خصوصی توجہ دیتا ہے۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو ان تمام باتوں کا مقصد جہاں ایک شخصیت کی تعمیر وترقی میں کردار ادا کرنا ہے وہاں معاشرے کی ترقی میں اپنا حصہ ڈالنا بھی ہے تاکہ معاشرے میں جہاں مثبت اقدار کو فروغ حاصل ہو گا وہاں منفی اقدار کا خاتمہ بھی ہو گا۔

حوالہ جات:

١۔ عبدالرحیم، سید محمد وجیہہ السیما عرفانی: شخصیت اور ادبی جہات، تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی اُردو، لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ٢٠٢٢ء، ص ٢٠

٢۔ شاہد اقبال، اقبال کا نظریۂ شخصیت، مشمولہ: کریسنٹ اقبال نمبر، لاہور، گورنمنٹ اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، ١٩٧٧ء، ص ٢۴١

٣۔ جاوید اقبال، ڈاکٹر، جسٹس، مرتبہ: شذراتِ فکرِ اقبال، لاہور، مجلس ترقی ادب، ٢٠١٦ء، ص ٧٨، ٧٧، ٧٦

4. Bashir. A. Qureshi, Kitabistan's Practical Dictionary, Pg. 663

5. Sally Wehmeier & Michael Ashby Oxford Advanced Learner's Dictionary, Pg. 1119

٦۔ قرآنِ مجید، سورۃ آل عمران، آیت: ١٩

7. James, H, Leuba, The Psychology of Religious Mysticism, London, 2002, Pg 5

8. Ibid, Pg. 6

9. Ibid

10. Ibid

11. Ibid, Pg. 7

١٢۔ عماد الحسن آزاد فاروقی، دُنیا کے بڑے مذہب، جہلم، بک کارنر شوروم، ٢٠١٣ء، ص ١٢

١٣۔ القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت: ٢٠١

١۴۔ القرآن، سورۃ النساء، آیت: ١١٠

١۵۔ القرآن، سورۃ الزمر، آیت: ۵٣

١٦۔ القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت: ١٧٧

١٧۔ القرآن، سورۃ التوبہ، آیت ١١١

١٨۔ میاں عبدالرشید، اسلام اور تعمیر شخصیت، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، طبع چہارم، جون ٢٠٠٠ء، ص ٣